

باب دوم

اسلامی شخص

ارکانِ اسلام

مشقی سوالات

سوال ۱۔ ارکانِ اسلام سے کیا مراد ہے۔ فرد کی تعمیر سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

جواب: ارکانِ اسلام:

ارکانِ اسلام سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ
وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور نماز

فرد کی تعمیر سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کا کردار:

۱۔ تعمیل احکام:

اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کی دن میں پانچ مرتبہ حاضری اس کے دل میں یہ احساس تازہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے اللہ کا بندہ ہے۔ بندگی کا یہ احساس متواتر نماز پڑھنے سے ایک مسلمان کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے اور اس کی پوری زندگی تعمیل احکام کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔

۲۔ قربِ خداوندی:

دن میں پانچ مرتبہ قربِ خداوندی کا احساس مسلمان کو یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ یہ کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا احساس اسے گناہ کے کاموں سے روکتا اور اس کے دل سے ہر قسم کا خوف اور غم دور کرتا ہے۔

۳۔ نمازوں کے اثرات:

نمازوں کے درمیانی وقفے میں بھی نمازوں کے اثرات جاری و ساری رہتے ہیں۔ نماز کے بعد گناہ کا خیال آئے تو بندہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اپنے اللہ سے دعا کر کے آیا ہوں کہ اے اللہ مجھے ”گناہوں سے بچا“ اور ابھی گناہ کا کام کروں گا تو کچھ دیر بعد اس کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ یہ چیز اسے مستقلاً گناہ سے روکے رکھتی ہے۔

۴۔ محبت و یگانگت:

خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سلسلے میں پانچ مرتبہ، باہم ملنے والے افراد کے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے، جس سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۵۔ فکری وحدت:

سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس سے ان کے درمیان فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی مساوات کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ اعمال کی کیفیات:

اجتماعی شکل میں انجام پانے والے اعمال کی کیفیات، انفرادی اعمال کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ اسی لیے اجتماعی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔
۷۔ نمازیوں کو مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازوں کو ترغیب و تحریریں ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

۸۔ نظم و ضبط کا شعور:

نماز میں امام کا تقرر اور اس کی پیروی، اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ پہنچنے والے افراد کے لیے فرمایا تھا کہ جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتے اگر مجھے ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دیتا۔

سوال ۲۔ روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

جواب: روزہ:

روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن

قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۳)

مذکورہ بالا آیت سے جہاں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کو فرض کرنے کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔
روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات:
تقویٰ کا مفہوم:

تقویٰ کا مفہوم پرہیزگاری ہے۔ تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔
ضبطِ نفس:

انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہش نفس ہے۔ خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔ لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔ روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکام الہی کے تابع کر کے اسے متقی بنانا ہے۔ جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کو خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کر لے، اسے ضبطِ نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

خود پسندی کا علاج:

جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے میں کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور بدی سے نفرت ہو جاتی ہے۔ روزہ

خلافِ شریعتِ عمل سے رُکنا:

جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی اشیاء پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو کھانے پر قادر نہیں پاتا تو اسے اللہ تعالیٰ کے سامنے لہنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے۔ اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں ہر خلافِ شریعتِ عمل سے رک جانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔

ایمان اور احتساب کا عمل:

نبی اکرم ﷺ نے جہاں ارشاد فرمایا ہے ”ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں“ وہاں یہ بھی فرمایا ہے ”بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزوں سے بھوک اور پیاس کی اذیت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا؟ اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَالْعَمَلَ بِهِ وَالْجَهْلَ فَلَيْسَ لِلَّهِ حَاجَةٌ أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَشَرَابَهُ (بخاری)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھڑانے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

روزہ کے اجتماعی فوائد:

یوں تو روزہ ایک انفرادی عبادت ہے۔ لیکن اس کے درج ذیل فوائد بھی ہیں۔

۱۔ مہینہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور دل میں

۳۔ ایک ہی وقت میں پوری ملتِ اسلامیہ کا ایک عبادت میں مصروف رہنا، باہمی یگانگت کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم ﷺ نے ماہِ رمضان کو مواسات اور ہمگساری کا مہینہ قرار دیا ہے۔

۴۔ ایک ماہ تک دن کے بڑے حصے میں معدے کا خالی رہنا صحتِ جسمانی کے لیے مفید ہوتا ہے۔

سوال ۳۔ اسلام کے معاشی نظامِ زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔
جواب: زکوٰۃ اور معاشی عدل:

انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظامِ معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظامِ معاشرت کی طرح نظامِ معیشت کے بھی بہترین ضابطے عطا فرمائے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم رہتا ہے اور ان کو ترک کر دینے سے نا انصافی جنم لیتی ہے جو متعدد خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

اسلام کے معاشی نظامِ زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت:

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادائیگی نماز کے ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظامِ زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیش نظر حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود کہ وہ کلمہ گو تھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں کوئی فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے لغوی معنی:

پاک کرتا ہے اور دولت کے مقابلے میں اس خدا کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے حکم پر وہ دولت کو قربان کر رہا ہے۔

ادائیگی زکوٰۃ: ادائیگی زکوٰۃ اسے یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ جو دولت وہ کماتا ہے وہ حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔ یہ احساس اسے معاشی بے راہ روی سے بچاتا اور اس کے تمام اعمال کو احکام الہی کا تابع کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا اہم حصہ ہیں۔ جب انسان دولت جیسی نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے۔ اور وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کا یہ قرض وہ کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔

ارشاد بانی ہے۔

إِنْ تَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ شَكُورٌ
حَلِيمٌ ﴿١٤﴾ (سورة التغابن: ١٤)

ترجمہ: اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دو گنا کرے اس کو تمہارے لیے اور تم کو بخشنے اور اللہ قدر دان ہے اور تحمل والا۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٣﴾ (سورة التوبة: ٣٣)

ترجمہ: اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی رو سے

زکوٰۃ کے فوائد:

۱۔ معاشی فوائد:

چونکہ سودی نظام معیشت میں محنت کی مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

۲۔ دولت کی محلی سطح تک تقسیم:

زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کا ایک دھارا امیر طبقے سے غریب طبقے کی جانب بھی مڑ جاتا ہے۔ جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيهِ الصَّدَقَاتِ ۗ (سورۃ البقرہ: ۲۷۶)

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

۳۔ سرمایہ کاری میں اضافہ:

ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے صاحب مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ شرح زکوٰۃ:

چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہذا صاحب مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری

سوال ۴۔ حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

جواب: حج:

ارکان اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾ (سورۃ آل عمران: ۹۷)

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے

کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پر واہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی۔

گناہوں کی بخشش:

مراد یہ ہے کہ یہ جامع عبادت، اللہ تعالیٰ کی خاطر فرض کی گئی ہے اور اس کا اپنے بندوں

پر یہ حق بھی ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی غرض وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے بندوں

کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ ادائیگی حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی بخشش ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے

فرمایا۔

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَذْفُفْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهُ (بخاری)

ترجمہ: جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دوران حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے

وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

پاک صاف کرنے کا عمل:

اپنے گناہ گار بندوں کو دنیا ہی میں پاک صاف کر دینے کا یہ انتظام جہاں اللہ تعالیٰ کے کرم

میں ہے۔

مَنْ لَمْ يَمْنَعَهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ أَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ أَوْ مَرَضٌ حَائِسٌ فَلَمْ يَحُجَّ
فَلَيَمُتْ إِنْ شَاءَ يَهُودِيًّا وَإِنْ شَاءَ نَصْرَانِيًّا

ترجمہ: جس (صاحب استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت، حج سے روک رہی ہو، نہ کوئی عالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو وہ ایک مسلمان کی نہیں کسی یہودی یا نصرانی کی موت مرے گا۔

اجتماعی و انفرادی فوائد:

۱۔ قربِ خداوندی:

حج کا اصل فائدہ یادِ الہی اور قربِ خداوندی ہے۔ لیکن دیگر ارکانِ دین کی طرح اس کے بھی متعدد معاشرتی و اخلاقی فوائد ہیں۔ اس موقع پر دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے افراد حج کی برکت سے پاک صاف جاتے ہیں۔

۲۔ ماحول کی اصلاح کا سبب:

یہ لوگ اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر لوٹتے ہیں وہ ان کے ماحول کی اصلاح کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

۳۔ امتیازات سے بالاتر ہونا:

حج کا یہ عظیم الشان اجتماع ملتِ اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان، رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے خدا کی پکار

۴۔ تجارتی اور اقتصادی فائدہ:

حج کا ایک اہم تجارتی اور اقتصادی فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فروخت کے ذریعے معاشی نفع حاصل کرتے ہیں۔

۵۔ حج مقبول:

حج کے مذکورہ بالا اجتماعی و انفرادی فوائد سے ہم تبھی متمتع ہو سکتے ہیں جب ہمارا مقصد رضائے الہی ہو۔ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور دین حق کی سر بلندی ہو اور حج کے روحانی مقاصد پر نظر جمی رہے۔ تبھی ہمارا حج، حج مقبول و مبرور ہو سکتا ہے۔

سوال ۵۔ جہاد اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

جواب: جہاد اسلامی:

جہاد کے لغوی معنی:

جہاد کے لغوی معنی کوشش کے ہیں

جہاد کا اصطلاحی مفہوم:

دینی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش ہے جو دین کی حفاظت، فروغ اور امت مسلمہ کے دفاع کے لیے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا حاکم مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی پیروی کرے۔ نیز اس کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ چلنے دے۔ اگر کوئی طاقت ”اقدار اعلیٰ“ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا قانون نافذ کرنا چاہے تو وہ جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ کرے۔

حذ۔ فداکاری:

جہاد کی اقسام : جہاد کی چند اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خواہش نفس کے خلاف جہاد :

اطاعت الہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں۔ جو ہر وقت اس کے دل میں موجزن رہتی ہیں اور اسے ان کی سرکوبی کے لیے ہر وقت چوکنا رہتا پڑتا ہے۔ لہذا خواہشات نفس کے خلاف جہاد کو نبی اکرم ﷺ نے ”جہاد اکبر“ کا نام دیا ہے۔ اور یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جسے سرکے بغیر انسان جہاد کے کسی اور میدان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ شیطان کے خلاف جہاد :

اپنے نفس پر قابو پالینے کے بعد ان شیطانوں سے نمٹنا ضروری ہوتا ہے۔ جو اللہ کے بندوں کو اپنی اطاعت اور بندگی پر مجبور کر رہے ہوں۔ قرآن حکیم اس قسم کی ہر قوت کو طاغوت کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي
سَبِيلِ الطَّاغُوتِ (سورة النساء: ۷۶)

ترجمہ : جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں۔

۳۔ طاغوتی طاقتوں کا غلبہ ختم کرنا :

یہ طاغوتی قوتیں مسلمان معاشرے کے اندر غلط رسم و رواج کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں۔ اور اسلامی معاشرے کے باہر غیر اسلامی ممالک کے غلبے کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ان طاغوتی

ترجمہ: اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقہ سے۔

اگر جہاد کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو مومنانہ بصیرت ہر موقع پر مناسب راہیں سمجھا دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ
فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (مُسلم)

ترجمہ: تم میں سے کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

جہاد بالسيف:

حق و باطل کی کشمکش میں وہ مقام آکر رہتا ہے۔ جب طاغوتی قوتیں حق کا راستہ روکنے اور اسے مٹانے کے لیے سر و جنگ سے آگے بڑھ کر کھلی جنگ پر اتر آتی ہیں اور مسلمانوں کو ملی تحفظ اور بقائے دین کے لیے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ مدافعتیہ جہاد:

اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہوگی۔ مدافعتیہ جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کی مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالم اسلام اسے

۲۔ مصلحانہ جہاد:

جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کا ایک اہم مقصد دین حق کا قیام بتاتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٣٣﴾ (سورة التوبة: ٣٣)

ترجمہ: اس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تاکہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برائیاں مشرک۔

مزید برآں ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ (سورة الانفال: ٣٩)

ترجمہ: اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جاوے سب اللہ کا۔

جہاد کے فضائل:

قرآن حکیم اور کتب احادیث میں جہاد کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًا كَانَتْهُمْ بُنْيَانًا مَرْضُوضًا ﴿٣٤﴾ (سورة العنكبوت: ٣٤)

ترجمہ: اللہ نے ان کو پسند کیا جو اللہ کے لیے جہاد میں لڑتے ہیں، ان کے گھر اور

جہاد کی اہمیت:

- حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے ” قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آکر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے“ بلاشبہ یہ جہاد کی عظمت اور شہادت کی تڑپ ہی کا جذبہ تھا کہ قرآنِ اولیٰ کے مسلمان دنیا پر چھائے رہے اور پورے کرۂ ارض پر ان کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔
- سوال ۶۔ اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں۔

جواب: قرآن و سنت اور اولاد کے حقوق و فرائض :

حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو گا کہ ایک زمانے میں انسان کی سنگ دلی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو قتل کر ڈالتا۔ اسلام نے انسان کے دل میں سوائے ہوئے جذبہ رحم و الفت کو جگایا تو دنیا سے قتل اولاد کی سنگدلانہ رسم مٹی اور اولاد کو اپنے والدین سے محبت و شفقت کی نعمت ایک بار پھر ملی۔ قرآن حکیم میں معاشرے کی دیگر برائیوں کے ساتھ قتل اولاد سے بھی ان الفاظ میں منع فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ﴿۳۱﴾ (سورۃ الاسراء: ۳۱)

ترجمہ: اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک ان کو مارنا بڑی خطا ہے۔

سب سے بڑا گناہ:

بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ”والدین کی نافرمانی“ عرض کیا ”اس کے بعد“ ارشاد ہوا ”تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے کھانے میں حصہ بنائے گی۔“

تعلیمات اسلامی کے تحت والدین پر اولاد کے متعدد حقوق عائد ہوتے ہیں مثلاً

- (1) زندگی کا حق۔
- (2) بنیادی ضروریات کی فراہمی، یعنی کھانے پینے، رہائش اور علان کا حق
- (3) حسب مقدور تعلیم و تربیت کا حق۔

بڑھاپے کا سہارا:

اگر والدین یہ جملہ حقوق بحسن و خوبی ادا کرتے ہیں تو نہ صرف یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے بلکہ ان کی اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولاد کے حقوق کی ادائیگی پر اپنے آرام و آسائش کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی اولاد ان کی آخری عمر میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیتی ہے۔

فکرِ آخرت کی تربیت:

والدین کا فرض ہے کہ جہاں اپنی اولاد کو روزی کمانے کے قابل بنانے کی تدبیر کرتے رہیں وہاں ان میں فکرِ آخرت بھی پیدا کریں۔ اور عمل صالح کی تربیت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی ذمہ داری کو بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (سورة التمریم: ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

بخشش کا ذریعہ:

سوال ۷۔ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اسکی ذمہ داریاں بیان کریں۔

جواب: معاشرے میں عورت کا مقام:

معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے اور گھر کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اس کی عمدگی محض دو افراد ہی کی نہیں بلکہ دو خاندانوں کی شادمانیوں کا سبب بنتی ہے۔ اگر ان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صورت حال بہت سے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔

زوجین کے حقوق:

اللہ تعالیٰ نے زوجین کے حقوق کا تعین فرماتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (سورۃ بقرہ: ۲۲۸)

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک:

لیکن یہ درجہ محض گھر کا انتظام ایک زیادہ باہمت، حوصلہ مند اور قومی شخصیت کے سپرد کرنے کے لیے ہے۔ عورتوں پر ظلم روار کھنے کے لیے نہیں۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے خواتین کا شرف بحال کیا اور مردوں کو ان پر حکومت کا اختیار دینے کی بجائے ان کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی اور تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کو خیر اور اچھائی کا معیار بتایا۔ ارشاد ہوا۔

بیوی کا اپنے شوہر پر حق:

ایک بار ایک صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا ”یا رسول اللہ ﷺ بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا جو خود کھائے اسے کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا اُسے پہنائے، نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اسے بُرا بھلا کہے۔ آپ ﷺ کو بیویوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ خطبہ حجۃ الوداع میں ان سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ (سورة النساء: ۳۴)

ترجمہ: پھر جو عورتیں نیک ہیں سو اطاعت گزار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے۔

اطاعت و فرمانبرداری:

جہاں مرد کو منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ وہاں عورتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مردوں کی وفادار اور اطاعت گزار بن کر رہیں۔

بیوی کے لیے شوہر کی حیثیت:

ایک مسلمان بیوی کے لیے شوہر کی جو حیثیت ہوتی ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے۔ ”اگر میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔“ ساتھ ہی شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی پر سختی نہ کرے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُنَّ شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (سورة النساء: ۱۹)

نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی تصریح:

اس بات کی تصریح نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس میں آپ

ﷺ نے فرمایا،

”لہٰذا بیویوں میں کوئی بُرائی دیکھ کر ان سے نفرت نہ کرنے لگ جاؤ اگر غم غور کرو گے تو

تمہیں ان میں کوئی اچھائی بھی ضرور نظر آئے گی۔“

سوال ۸۔ مندرجہ ذیل کے حقوق و فرائض پر مختصر نوٹ لکھیں۔

رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم

جواب: رشتہ داروں کے حقوق:

رشتہ داروں سے حُسن سلوک:

والدین، اولاد اور شریکِ حیات (بیوی) کے حقوق کے بعد، اسلام رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے کیونکہ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہل خانہ کے بعد سب سے زیادہ انہی سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہوگی اور معاملہ اس کے برعکس ہو تو نفرت اور دوری پیدا ہو جائے گی اور آئے دن کے جھگڑوں سے خاندان کا سکون برباد ہو کر رہ جائے گا۔ قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی بار بار تلقین کی گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذَآ الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ (سورۃ الاسراء: ۲۶)

ترجمہ: رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

احساس کمتری کا شکار:

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی ضروریات کا خیال رکھیں، تاکہ انہیں غیروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلا سکیں۔ تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کریں اس میں ترجیح اپنے رشتہ داروں کو دیں اور پھر ان کے ساتھ جو سلوک کریں اس پر انہیں طعنے دے کر اپنا اجر و ثواب برباد نہ کریں۔ انہیں احساس تنہائی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوں۔

عزت نفس کا مجروح ہونا:

رشتہ داروں کے ذریعے امداد کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی اور کام لکل جاتا ہے۔ جبکہ غیروں سے مدد طلب کرنے میں لہنی ہی نہیں، خاندان کی عزت بھی گھٹتی ہے۔

محفوظ معاشرہ:

اگر ہم میں سے ہر شخص خدا اور رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنے رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھے تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ رہے گا۔

ہمسایوں کے حقوق:

انسان کو روزمرہ زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے اور تین قسم کے پڑوسیوں سے حسن سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے۔

سوئم: جن سے عارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔ مثلاً ہم پیشہ، ہم جماعت یا شریک سفر افراد وغیرہ۔

ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

- الف۔ وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسائے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو۔
- ب۔ تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔
- ج۔ اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دو، محتاج ہو جائے تو اسکی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ، اور مر جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر اسے کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو۔ اگر مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو اس سے ہمدردی کرو۔ بغیر اجازت لہنی دیوار اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے لیے روشنی اور ہوارک جائے۔ کوئی میوہ یا سوغات وغیرہ لاؤ تو اسے بھی بھیجو۔
- د۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اتنی شدت سے تاکید فرماتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے کہ شاید میراث میں بھی پڑوسیوں کا حصہ رکھ دیا جائے گا۔

۵۔ ایذا رسانی کی ممانعت:

ایک بار آپ ﷺ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیزگار ہے۔ دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے۔ لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”وہ دوزخی ہے“ اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عمادات) ادا کرتی ہے ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ حضور ﷺ

اساتذہ کے حقوق:

اسلام نے جہاں مسلمانوں پر حصول علم کو فرض قرار دیا وہاں استاد کو بھی معزز ترین مقام عطا کیا تاکہ اسکی وجاہت سے علم کا وقار بڑھے اور علم سے انسانیت کا، استاد کا یہ اعزاز کیا کم ہے کہ اسے اس پٹی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے ایک خصوصی نسبت حاصل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

ترجمہ: مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

فکر و عمل کی اصلاح:

استاد نئی نسل کی صحیح نشوونما کر کے اس کے فکر و عمل کی اصلاح کرتے ہیں۔ نئی نسل انہی کے فراہم کردہ سانچوں میں ڈھلتی ہے۔

استاد کا احترام:

استاد کے اعزاز و احترام کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیرے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا۔ دوسرا وہ جس نے تجھے لہنی بیٹی دی۔ تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔

والدین اور اساتذہ کا ظرف:

معلم حیثیت علم کی بارش کی سی ہوتی ہے اور طلبہ کی زمین کی۔ جو زمین بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بارش کے فیض سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ یہ حوصلہ اور ظرف بھی والدین کے علاوہ استاد کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو خود سے آگے بڑھتے دکھ کر حسد کرنے کا

احسان شناسی :

مسلمانوں میں استاد کی احسان شناسی اور احترام کا اندازہ کچھ اس رواج سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ شاگرد استاد کے نام کو اپنے نام ہی کا حصہ بنا لیتے تھے۔ اور اس طرح لائق شاگردوں کے ذریعے استاد کا نام زندہ رہتا تھا۔

غیر مسلموں کے حقوق:

غیر مسلموں سے حُسنِ سلوک:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ کافر اور مشرک ہرگز ہرگز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے۔ لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍۭ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ

لِلتَّقْوٰى (سورۃ المائدہ: ۸)

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

حُسنِ سلوک سے دل جیت لینا:

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا ایک ڈاکٹر مریض سے کرتا ہے اسی حسن سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

سوال ۹۔ معاشرہ کے اسلام تشکیل کے لیے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

جواب: معاشرہ اور تشکیل اسلام:

(1) محاسن اخلاق:

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاقِ حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاق کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند محاسن اخلاق کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ دیانت داری:

معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابل اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانت داری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۗ (سورة النساء: ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو لمانتیں امانت والوں کو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ

بھی فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۸﴾ (سورة المؤمنون: ۸)

ترجمہ: اور جو اپنی لمانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔

www.topstudyworld.com

پکارے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے احساسِ دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینے ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی امامتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔
دیانت کا مفہوم:

اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہ رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی ادائیگی کو دیانت کے دائرے میں شامل کر دیا۔
کوئی بات سن کر دوسری جگہ جا کر سنانا بھی بددیانتی:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”مخفل میں کی جانے والی باتیں بھی لمانت ہیں“ یعنی ایک جگہ کوئی بات سن کر دوسری جگہ جاسنانا بھی بددیانتی میں داخل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی لمانتیں سمجھیں اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیش نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بددیانت بھی۔
اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

” جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں “

۲۔ ایفائے عہد:

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بگاڑ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد

اہم ترین عہد:

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یوم ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کی یاد دہانی اس انداز سے کرائی ہے۔

وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَضَعَمُ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾ (سورۃ الانعام: ۱۵۲)

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

اجتماعی رشتوں کی پاسداری:

ایک اور مقام پر باہمی معاہدوں اور اجتماعی رشتوں کی پاسداری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی۔

الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ

مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ (سورۃ الرعد: ۲۰-۲۱)

ترجمہ: وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جن کو اللہ نے فرمایا ملانا۔

صلح حدیبیہ کی پاسداری:

نبی کریم ﷺ نے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ موقع پر حضرت ابو جندل زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انہیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انہیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو آپ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ ﷺ کو مسلمانوں سے تھی انہیں اپنے ہمراہ مدینے لے جانے سے محض اس لئے رکھا کہ

گا۔ حضرت ابو جندلؓ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرامؓ کے لیے بے قراری کا باعث تھی۔ لیکن صلح حدیبیہ کی پاسداری کے پیش نظر سب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے۔

لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ

ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

وعدے کی پاسداری:

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایضاً عہد علی کے ذیل میں آتے

ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

س سچائی:

سچائی ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر انسان کچھ چہن کا سانس نہیں لے

سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا۔

الصِّدْقُ يُنْجِي وَالْكَذِبُ يُهْلِكُ

ترجمہ: سچائی انسان کو ہر آفت سے محفوظ رکھتی ہے اور جھوٹ اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٤﴾ (سورۃ النساء: ۸۴)

ترجمہ: اور اللہ سے سچا کس کی بات ہے۔

سچائی کا سرچشمہ:

پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی بھڑوی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔

سچ کا مفہوم:

اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رہنی بسی ہو۔

۴۔ عدل و انصاف:

عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق با آسانی مل جائے۔ نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔

ظلم و ستم:

بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا عدل و انصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دین اسلام کے طفیل ظلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔

رشتہ مساوات:

دین اسلام کے طفیل ظلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار

رشتہ استوار ہو جو انسان کے لیے سرمایہ انکار ہے۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل و انصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ
شِدَانُ قَوْمٍ عَلَىٰ آلا تَعْدِلُوا ۖ إِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورة المائدة: ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ انصاف کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔
عدل رسول ﷺ:

نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آپ زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے برباد ہوئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔“

سلطان عادل کے اوصاف:

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے سلطان عادل کو خدا کا سایہ قرار دیا۔

۵۔ احترامِ قانون:

انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔

لا قانونیت کی خرابیاں:

عصر حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں اور لا قانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟

اس کی دو اہم وجوہ ہیں۔

- ۱۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔
- ۲۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

ایثار و سخاوت:

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انہیں خدا پرستی اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے۔ دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔

آخرت کی جواب دہی:

اسلام انہیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثرورسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انہیں خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو

قانون کی پاسبانی:

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثرورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعات مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔

قانون کا احترام:

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی سے ملی۔ خود خلیفہ وقت ہونے کے باوصف آپؓ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب اس نے آپؓ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قرعی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؓ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے احترام قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

۶۔ کسبِ حلال:

کسبِ حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورة المؤمنون: ۵۱)

ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّوْا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا (سورة البقرة: ۱۶۸)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورة البقرة: ۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی، ہم نے تم کو۔

کسبِ حلال کی اہمیت:

اسلام میں عہدات اور معاملات کے ضمن میں کسبِ حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے عہدات کی مقبولیت کے لیے کسبِ حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (سورة البقرة: ۱۸۸)

ترجمہ: اور نہ کھاؤ ملل ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔

کسبِ حرام کی ممانعت:

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر معاملے میں کسبِ معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔

جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع کا رخ کرنا:

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ”حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہیے“ جس شخص کو خدا تعالیٰ اور یومِ آخرت پر یقین ہو گا وہ کبھی جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع کا رخ نہیں کرے گا۔ خواہ ان میں کتنی ہی دلکشی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص اس شیطانی دوسے

۷۔ ایثار:

دنیا پرستی اگر انسان کو خود غرضی اور مفاد پرستی سکھاتی ہے تو خدا پرستی اس میں جذبہ ایثار پیدا کرتی ہے۔ وہ خود تکلیف اٹھا کر خلق خدا کو راحت و آرام پہنچاتا ہے۔ اس کا عمل خدا کی بارگاہ میں شرف قبولیت پائے گا اور اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گا۔

نبی اکرم ﷺ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ:

دیگر محاسن اخلاق کی طرح نبی اکرم ﷺ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ تھے اور سربراہ مملکت ہوتے ہوئے بھی انتہائی غربت و عسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ خانہ مبارک میں ہفتوں چولہا نہیں جلتا تھا۔ لیکن آپ ﷺ کے گھر سے کوئی سائل محروم نہیں اٹھا۔ اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو قرض لے کے حاجت مند کی حاجت پوری کرتے۔

ایک بار آپ ﷺ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد گھر میں آکر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہو گیا اور کتنا بچا۔ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہو گیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”اور جو تقسیم ہو گیا ہے وہ رہ گیا ہے اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے۔“

صحابہؓ کا جذبہ ایثار:

صحابہؓ بھی جذبہ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے قحط کے زمانے میں باہر سے آنے والا غلہ دو گنے چو گنے منافع کی پیش کش کرتے ہوئے خریدا اور ملا معاوضہ تقسیم کر دیا۔

مثالی مہمان نوازی:

صحابہ کرامؓ کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پر نور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسب دستور ایک انصاری صحابیؓ آپ ﷺ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر فاتح کی حالت میں سلادو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے حکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھر انہ بھوکا سویا رہا۔ صبح جب یہ صحابیؓ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہ تمہارے رات کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔ ایسے ہی ایثار پیش لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴿٩﴾ (سورۃ الحشر: ۹)

ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہوا اپنے اوپر فاقہ۔

انصار مدینہ کا بے مثال حسن سلوک:

ہجرت کے موقع پر انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

سوال ۱۰۔ رذائل اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن

سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

جواب: رذائل اخلاق (بُرائے اخلاق):

تعلیم دی گئی کہ وہ اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اخلاق رذیلہ سے بچیں جو انسان کی شخصیت کو داغ دار کر دیتے ہیں اور اسے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائل اخلاق درج ذیل ہیں۔

۱۔ جھوٹ :

جھوٹ نہ صرف یہ کہ بجائے خود ایک برائی ہے بلکہ دیگر بہت سی اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ كَذَبَ كَذَبًا ﴿٣﴾ (سورۃ الزمر: ۳)

ترجمہ: البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور حق نہ ماننے والا ہو۔

جنت اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال:

نبی اکرم ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا ”یا رسول ﷺ! جنت میں لے جانے والا کون سا عمل ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”سچ بولنا، جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں یہ اضافہ جنت میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔“ اس شخص نے دریافت کیا۔ ”یا رسول ﷺ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے۔“ فرمایا ”جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا۔ جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرتا چلا جائے گا اور یہ کفر اسے جہنم میں لے جائے گا“

جھوٹ کی مختلف صورتیں:

باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جھوٹ کی ہر قسم سے پرہیز کریں۔

۲۔ غیبت :

اخلاقی بیماریوں میں غیبت جس قدر بری بیماری ہے بد قسمتی سے ہمارے معاشرے میں اسی قدر عام ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس بیماری سے محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَلَا يَغْتَابَ بَعْضُكُمُ بَعْضًا ۚ أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا
فَكَرِهْتُمُوهُ ۗ (سورة الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: اور برانہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو، بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو تو گھن آتا ہے تم کو اس سے۔
غیبت کی سزا:

غیبت کے لیے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے اور دھمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ غیبت کے مرض میں مبتلا شخص خود کو عموماً عیبوں سے پاک تصور کرنے لگتا ہے۔ اور جس کی غیبت کی جائے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ غرض غیبت ہر لحاظ سے معاشرتی سکون کو برباد کرتی ہے۔
فرمان رسول ﷺ:

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد

یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت و آبرو بگاڑتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

غیبت کن صورتوں میں جائز ہے:

شریعت اسلامی میں غیبت صرف دو صورتوں میں جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک مظلوم کی ظالم کے خلاف فریاد کی شکل میں اور دوسرے لوگوں کو کسی فریب کار کی فریب کاری سے آگاہ کرنے کے لیے۔ بعض علما نے نقل اتارنے اور تحقیر آمیز اشارات کرنے کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے۔

غیبت اور اتہام میں فرق:

غیبت اور اتہام میں فرق ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا ہے جو اس میں موجود ہے۔ جب کہ اتہام (تہمت لگانا) سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود نہیں ہے اور اس کے دامن عفت کو بلا وجہ داغ دار بنایا جائے۔

س منافقت:

منافقت کی اقسام:

علمائے اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

(الف) ایک وہ منافق جو دل سے اسلام کی صداقت و حقانیت کا قائل نہیں۔ لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔

منافق صاحب ایمان ضرور ہے لیکن اس کی تعلیم و تربیت ابھی ناقص ہے۔ جو کہ کسی معلم و مربی کے فیضان نظر یا محبت نشینی سے اسے حاصل ہو سکتی ہے۔

منافقوں کی خطرناک چال:

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی سب سے خطرناک چال یہ ہوتی ہے کہ وہ دین داری کے پردے میں مسلمانوں کو باہم لڑادیں۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے مدینے میں مسجد نبوی ﷺ کے مقابل مسجد ضرار تعمیر کی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ نے اس مسجد کو مسمار کرا کے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَهُمْ
جَهَنَّمُ ط (سورة التمریم: ۹)

ترجمہ: اے نبی! لڑائی کر مکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے۔

منافق کی پہچان:

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔

- ۱۔ جب بولے تو جھوٹ بولے۔
- ۲۔ جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔
- ۳۔ جب کوئی لمانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

منافقوں کے انجام:

۴۔ تکبر:

تکبر کے معنی خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ بڑائی استعمال کیا جاتا ہے۔

شیطان کا تکبر:

قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ اس لیے ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا۔

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ

الصَّغِيرِينَ ﴿۱۳﴾ (سورة الاعراف: ۱۳)

ترجمہ: تو اتر یہاں سے تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔ پس باہر نکل تو ذلیل ہے۔

متکبر انسانوں کا ٹھکانا:

وہ دن اور آج کا دن۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور فرمان خداوندی کے مطابق،

آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔

الْيُسُ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۶۰﴾ (سورة الزمر: ۶۰)

ترجمہ: کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور کرنے والوں کا۔

تکبر کی مذمت:

تکبر کی مذمت فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ”جس کے دل میں رائی

دوسروں کو حقیر سمجھنا:

مغرور و متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے۔ اسی لیے وہ مروت، اخوت، ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

۵۔ حسد:

انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پرسکون دیکھ کر انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خود اپنے لیے پریشانی مول لے لیتا ہے۔

حسد ایک اخلاقی بیماری:

یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترک تعلق کر لیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالت زار پر کف افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو حالت بہتر بنانے پر صرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔

نفرت اور جلن:

حاسد کا ذلیل و خوار ہونا:

اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔ لیکن حاسد، لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت و خواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہو کر رہتا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ
الْحَطَبَ

ترجمہ: دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اخلاقِ رزیلہ سے بچاؤ:

اگر انسان حسد جیسے اخلاقِ رزیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگانِ دین کی سادگی و قناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت و اقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوال ۱۱۔ محاسنِ اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ محاسنِ اخلاق تفصیلاً بیان کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ہے۔

جواب: محاسنِ اخلاق:

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاقِ حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاق کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند

۱۔ دیانت داری :

معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابل اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیاؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانت داری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا (سورة النساء: ۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچاؤ لو امانتیں امانت والوں کو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ

بھی فرمایا گیا ہے۔

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۸﴾ (سورة المؤمنون: ۸)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں۔

اسوہ رسول ﷺ اور دیانت:

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آپ ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی عرب کے بددیانت معاشرے میں ”الامین“ یعنی کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے احساسِ دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینے ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی لمانتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہ رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی ادائیگی کو دیانت کے دائرے میں شامل کر دیا۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں، اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیش نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بد دیانت بھی۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

” جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں “

۲۔ ایفائے عہد:

انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بناؤ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ﴿۳۳﴾ (سورۃ الاسراء: ۳۳)

ترجمہ: اور پورا کرو عہد بے شک عہد کی پوچھ ہوگی۔

اہم ترین عہد:

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یوم ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کی یاد دہانی اس انداز سے کرائی ہے۔

وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَلِكُمْ وَضَعَمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۲﴾ (سورۃ الانعام: ۱۵۲)

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

اجتماعی رشتوں کی پاسداری:

الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ ﴿٢٠﴾ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ
مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ
(سورة الرعد: ٢٠-٢١)

ترجمہ: وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جن کو اللہ نے فرمایا ملانا۔

صلح حدیبیہ کی پاسداری:

نبی کریم ﷺ نے سخت سے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندلؓ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انہیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انہیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو آپ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ ﷺ کو مسلمانوں سے تھی انہیں اپنے ہمراہ مدینہ لے جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینہ سے لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت ابو جندلؓ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرامؓ کے لیے بے قراری کا باعث تھی۔ لیکن صلح حدیبیہ کی پاسداری کے پیش نظر سب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے۔

لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ ۝

ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایسے عہد ہی کے ذیل میں آتے

ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

الصِّدْقُ يُنَجِّئُ وَالْكَذِبُ يُهْلِكُ

ترجمہ: سچائی انسان کو ہر آفت سے محفوظ رکھتی ہے اور جھوٹ اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٤﴾ (سورۃ النساء: ۸۴)

ترجمہ: اور اللہ سے سچی کس کی بات ہے۔

سچائی کا سرچشمہ:

اسی طرح قرآن حکیم میں انبیاء کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ وہ راست گفتار تھے۔ سچائی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انبیاء نے وہیں سے سچائی حاصل کی اور دنیا میں پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔

سچ کا مفہوم:

اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رہتی ہوتی ہو۔

۴۔ عدل و انصاف:

عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق با آسانی مل جائے۔ نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے

..... مظلوم کو.....

سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دین اسلام کے طفیل قلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ نا انصافی کی بنا پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی۔ اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لاکھڑا کیا۔ اس طرح لوگوں کے درمیان انس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسان کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔

عدل و انصاف کا قیام :

اسلام وہ دین ہے جس نے عدل و انصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَايُنْ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۖ إِعْدِلُوا ۖ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورة المائدہ: ۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔ انصاف کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

عدل و انصاف اور اسوۂ رسول ﷺ :

نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آپ زرنے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”تم سے پہلے تو میں اسی سبب سے برباد ہو گیا کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی

سلطان عادل :

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے سلطان عادل کو خدا کا سایہ قرار دیا۔

۵۔ احترام قانون :

جس طرح قدرت کا نظام چند فطری قوانین کا پابند ہے۔ اسی طرح معاشرے کا قیام و دوام، معاشرتی، اخلاقی اور دینی احکام و قوانین پر موقوف ہے یوں تو دنیا کا انتہائی کم عقل انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔ عصر حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں اور لا قانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو اہم وجوہ ہیں۔

۱۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔

۲۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

ایثار و سخاوت :

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انہیں خدا پرستی اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے۔ دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انہیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ یا

میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔

بلا امتیاز قانون کا احترام :

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثرورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعت مہمانہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔

احترام قانون اور صحابہ کرام :

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی سے ملی خود خلیفہ وقت ہونے کے باوجود آپؓ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے۔ اور جب اس نے آپؓ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قرعی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؓ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترام قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

سوال ۱۲۔ کسبِ حلال کی اہمیت بیان کریں۔

جواب: کسبِ حلال :

کسبِ حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا (سورة المؤمنون: ۵۱)

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔
مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (سورة البقرة: ۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو۔

کسبِ حلال کی اہمیت:

اسلام میں عبادات اور معاملات کے ضمن میں کسبِ حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔
اس لیے عبادات کی مقبولیت کے لیے کسبِ حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ
ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (سورة البقرة: ۱۸۸)

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔

ناجائز ذرائع آمدن سے بچاؤ:

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری،
چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی امد سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے اس معاشرے کی
کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے امد بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔
اسلام ہر معاملے میں کسبِ معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور ناجائز
ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

”حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم کا پتھر بننا چاہیے“

قناعت پسندی:

میں مبتلا ہو کہ میں ناجائز ذرائع سے اپنے مقدر سے زیادہ کما سکتا ہوں وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ شیطان کے اس حربے کو ناکام بنانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیار زندگی کا ڈھونگ رچانے کی بجائے سادگی، کفایت شعاری، میمانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کار بند رہا جائے۔

سوال ۱۳۔ ”حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے“ وضاحت کیجئے۔

جواب: ”حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے“:

برّی خصلت:

انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔ لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پرسکون دیکھ کر انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خود اپنے لیے پریشانی مول لیتا ہے۔

اخلاقی بیماری:

یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترک تعلق کر لیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالت زار پر کف افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو حالت بہتر بنانے پر صرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔

اجتماعی فلاح:

اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔ لیکن حاسد، لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت و خواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہو کر رہتا ہے۔

حسد سے بچنے کی تلقین:

مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

ترجمہ: دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اخلاق رذیلہ سے بچاؤ:

اگر انسان حسد جیسے اخلاق رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگان دین کی سادگی و قناعت کی تاریخی مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت و اقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوال ۱۲۔ صحابہؓ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

جواب: صحابہؓ اور جذبہ ایثار:

صحابہؓ بھی جذبہ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیقؓ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک

بہترین مہمان نوازی:

صحابہ کرامؓ کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پر نور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسب دستور ایک انصاری صحابیؓ آپ ﷺ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بچوں کو بہلا کر فاتحہ کی حالت میں سلا دو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھرانہ بھوکا سو یا رہا۔ صبح جب یہ صحابی حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہ تمہارے رات کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔ ایسے ہی ایثار پیش لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْتِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴿٩﴾ (سورۃ الحشر: ٩)

ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہوا اپنے اوپر فاتحہ۔

انصار مدینہ کا ایثار و قربانی:

ہجرت کے موقع پر انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔ سوال ۱۵۔ ”حکمران طبقتے کے لیے قانون کی پاسبانی کیوں ضروری ہے۔“ وضاحت کریں۔

جواب: ”حکمران طبقتے کے لیے قانون کی پاسبانی کیوں ضروری ہے۔“:

انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔ لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔

لا قانونیت کا رجحان:

عصر حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں۔ اور لا قانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟

لا قانونیت کی وجوہات:

لا قانونیت کی مندرجہ ذیل دو اہم وجوہ ہیں۔

- ۱۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔
- ۲۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

آخرت کی جو ابدی:

اسلام ان دونوں وجوہ کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔ ایک طرف وہ انہیں خدا پرستی اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے۔ دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انہیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر و رسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انہیں خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں

قانون کی پاسبانی:

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام کا سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثرورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ آج دنیا میں قانون کے سامنے سب کے برابر ہونے کا چرچا تو بہت ہے۔ لیکن دنیا کا شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعات مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔

احترام قانون اور صحابہ کرام:

اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی سے ملی خود خلیفہ وقت ہونے کے باوصف آپؐ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب اس نے آپؐ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قرعہ تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپؐ اپنے دعویٰ سے دستبردار ہو گئے۔ احترام قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

